اسلام اور سائنسی ایجادات

مولانا عبدالشکور صاحب ترمذی
ساہی وال۔ ضلع سرگودھا

سنریھم ایاتنا فی الافاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق (قرآن مجید)

ترجمہ: ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے۔ آفاق میں، اور خود ان کے وجود میں، یہاں تک کہ یہ بات ان پر کھل جائے گی کہ یہ (اللہ کا دین) حق ہے۔

تمہیدی گذارش پچھلے دنوں امریکہ اور روس کے سائنسدانوں نے چاند تک پہنچنے کے لئے جو خلائی جہازوں کی روانگی اور خلائی پروازوں[1] کا سلسلہ شروع کیا اور یہاں تک اطلاعات موصول ہوئیں کہ امریکہ نے اپالو یازدہم کے ذریعہ تین مسافروں کو چاند پر اتار دیا۔

دورِ حاضر کی اس خلائی پرواز اور حیرت انگیز سائنسی کارنامہ کی خبروں سے حیرت زدہ ہو کر عام طور پر ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو رہا ہے اور بعض لوگوں کی زبانوں پر آ ہی گیا ہے کہ اس خلائی پرواز اور چاند تک رسائی کے بارہ میں اسلام کا نظریہ کیا ہے؟ اسلامی نظریہ کی رو سے آیا کسی انسان کے لئے یہ خلائی پرواز ممکن ہے اور کوئی شخص چاند ستاروں تک پہنچ بھی سکتا ہے یا نہیں؟ اس سوال کے حل کے لئے حضرات علماء کرام کی تحریرات منظر عام پر آ رہی ہیں جن میں اس خلائی پرواز کا اسلام کے نظریہ کی رو سے امکان ثابت کر کے یہ بتا دیا گیا ہے کہ اس قسم کے جدید انکشافات کے ساتھ اسلامی حقائق کا بالکل تصادم نہیں ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن مجید کے معانی اور مطالب کو سائنسی ایجادات کو منطبق کر دیا گیا ہے یا ان ایجادات ہی کو تفسیر قرآن کی بنیاد بنا لیا گیا ہے زیر نظر مضمون اسی مطلب کی وضاحت کے لئے حضرت مولانا مفتی

---

[1] تسخیر خلا کے لفظ سے چونکہ یہ وہم ہوتا ہے کہ خلائی سیاروں چاند وغیرہ کو انسان نے مسخر اور تابع کر لیا ہے۔ حالانکہ یہ تمام چیزیں بصرف اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع اور انہی کے زیر فرمان ہیں اور ان چیزوں تک انسان کی رسائی اور پرواز سے ان پر انسان کا تسلط اور ان چیزوں کا تابع ثابت نہیں ہوتا اس لئے تسخیر خلا کے بجائے خلائی پرواز کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم کی تفسیر معارف القرآن کے اقتباسات اور بعض دوسری تحریرات کی روشنی میں خاص کر ترتیب کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو شکوک و شبہات کا واضح اور اوہام کا رافع بنائے اور سب مسلمانوں کو اس سے منتفع ہونے کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین

دو رائیں سیدھے سادے بعض مسلمانوں کی رائے تو یہ ہے کہ چاند اور ستاروں تک پہنچنے کی یہ تمام کوششیں اسلام، قرآن اور سنت کے خلاف ہیں۔ اور ایسا ہونا ناممکن ہے اس لئے ایسی تمام خبریں جھوٹ اور مغالطہ پر مبنی ہیں۔ ان پر اعتبار نہیں کرنا چاہئے۔

دوسری طرف مسلمانوں کا وہ گروہ ہے جو سائنسی ترقیات سے اس قدر مرعوب ہے کہ وہ ہر بات پر یقین کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے جس کو سائنسی تحقیق کے نام پر پیش کر دیا گیا ہو۔ خواہ وہ اسلام اور قرآن و سنت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

یہ گروہ نئے نئے انکشافات اور جدید ایجادات سے اس قدر متاثر ہے کہ گویا اس کے نزدیک سیاروں پر راکٹ پھینکنے اور مصنوعی سیاروں کے ایجاد کرنے سے زیادہ ضروری اور قابلِ تقلید دوسرا کوئی کام ہی نہیں ہے۔ یہ گروہ اپنے ہر مسئلہ کا حل سائنسی تحقیقات کی روشنی میں تلاش کرنے کو ضروری سمجھتا ہے۔ یہاں تک کہ قرآن کریم کی تفسیر کے بارہ میں بھی اس کی یہی رائے ہے۔ کہ قرآن کریم کے مطالب کو انہی سائنسی تحقیقات اور ایجادات پر منطبق کر دیا جائے کیونکہ اس گروہ کے نزدیک ان ایجادات اور مصنوعات سے ہی قرآن کریم کا مقصد اور تقاضہ پورا ہوتا ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ دونوں رائیں اور اندازِ فکر درست اور ٹھیک نہیں ہیں۔ مگر دوسرے گروہ کی مرعوبیت سے پیدا ہونے والے نتائج اسلامی نقطۂ نظر سے زیادہ خطرناک اور قابلِ اصلاح ہیں اس لئے کہ ان تیرہ۔ چودہ سو سال کے بعد ہونے والی ایجادات پر تفسیر قرآن کی بنا رکھنے اور ان ایجادات کو مقصد اور تقاضہ، قرآن کریم قرار دینے کا مطلب تو یہ ہوا کہ قرآن کریم کے نازل ہونے کے وقت سے اب تک کسی نے بھی قرآن کے مقصد اور تقاضا کو پورا نہیں کیا تھا۔ اب امریکہ اور روس کے سائنس دانوں کی توجہ اور سعی کی بدولت قرآن کریم کا یہ مقصد اور تقاضہ پورا ہوا ہے۔ اس سے صحابہ کرامؓ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورتمام امت مسلمہ پر کس قدر سنگین الزام عائد ہوتا ہے۔ وہ ظاہر ہے۔

جو لوگ ان ایجادات کی مدح سرائی میں رطب اللسان ہیں اور وہ یوں اظہارِ تاسف کیا کرتے ہیں کہ یہ ایجادات کی مدح سرائی میں رطب اللسان ہیں اور وہ یوں اظہارِ تاسف کیا کرتے ہیں۔ کہ یہ ایجادات مسلمانوں کے کرنے کا کام تھا۔ مگر افسوس ہے کہ دوسری اقوامِ عالم ان سے سبقت لے گئیں۔ وہ بھی غور فرمائیں کہ ان کے اعتراض کی زد کس کس پر پڑتی ہے اور اس الزام کا مورد کون کون حضرات ٹھہرتے ہیں کیا اسلام کی تقریباً چودہ صدیوں

اپ بی

میں امت مسلمہ میں سے قرآن کریم کے مقصد اور تقاضہ کو کسی نے بھی پورا نہیں کیا؟

حقیقت حال یہ ہے کہ اسلام، اس قسم کی خلائی پروازوں کی نہ تو نفی ہی کرتا ہے اور نہ اس کا اثبات ہی کرتا ہے قرآن وسنت میں یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ کوئی انسان چاند یا مریخ تک نہیں پہنچ سکتا۔

اب اگر معتبر طریقہ سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ کوئی شخص خلائی پرواز کے ذریعہ چاند یا مریخ تک پہنچ گیا ہے تو یہ بات قرآن وسنت کے کسی طرح بھی خلاف نہیں ہے۔ بلکہ قرآن مجید کی مندرجہ الصدر اس آیت سے جس میں انفس نشانیوں کے ساتھ آفاقی نشانیوں کے دکھانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس قسم کے عجائبات کے دکھائے جانے کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

تفسیر کبیر کا حوالہ

امام رازی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تفسیر کبیر میں نقل فرماتے ہیں کہ آفاق کی نشانیوں سے مراد آسمان اور چاند ستاروں اور عالم عناصر اربعہ کے عجائب ہیں۔ اور آیت میں جو کہا گیا ہے کہ "اپنی نشانیاں دکھائیں گے" اس کے بارہ میں امام رازیؒ فرماتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ نے ان اشیا میں جو عجائبات رکھے ہیں ان کی کوئی انتہا نہیں ہے لہذا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہر دور میں نئے عجائبات دکھاتا رہے گا۔" (تفسیر کبیر ج، صد ۳۸۴)

غرضیکہ اس خلائی پرواز کا قرآن وسنت سے نہ تو کوئی تصادم ہے جیسا کہ عوام کا خیال ہے۔ اور نہ ہی قرآن کریم کا تقاضہ ہے کہ اس کے بغیر مقصد قرآن ہی پورا نہ ہوتا ہو جیسا کہ دوسرے گروہ نے سمجھا ہوا ہے۔

سائنسی تجربات اور تحقیقات میں جب تک کوئی ایسی چیز نہ ہو جس کا تصادم اسلام کے مسلمہ حقائق سے ہوتا ہو تو اس کو قرآن وسنت کے مقاصد اور نقاضوں میں شمار نہیں کیا جائے گا بلکہ اسلامی تعلیمات کی حدود میں رہتے ہوئے اس کو قبول کیا جائے گا۔ اسلامی نظریہ کی رو سے چونکہ خلائی پرواز کی ایسی کوئی حد معین نہیں کی گئی کہ جس سے آگے پرواز کی نفی اسلامی نظریہ کی رو سے نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس سے کسی مسلمہ اسلامی نظریہ کی نفی نہیں ہوتی۔

آسمانوں کا وجود ناقابلِ انکار حقیقت ہے

البتہ اس کی خلائی پرواز اور سائنسی تحقیقات سے یہ نتیجہ اخذ کرکے کہ آسمانوں کا وجود ہی نہیں ہے۔ آسمانوں کے وجود کا انکار کر دینا اسلامی نظریہ کے خلاف اور غلط ہوگا۔

قرآن وسنت کی تصریحات کے موافق اسلام نے آسمانوں کے وجود کو ایک حقیقت ثابتہ کے طور پر تسلیم کیا ہے آسمانوں کا وجود ان کا متعدد اور ذی جرم ہونا۔ ان میں دروازوں اور گذرگاہوں کا پایا جانا وغیرہ ایسے امور ہیں جن کا قرآن وسنت میں صاف اور صریح الفاظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ چاند یا مریخ وغیرہ کسی بھی سیارہ تک رسائی ہو جانے سے ان ثابت شدہ اسلامی حقیقتوں کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ کائنات کی وسیع اور بے شمار چیزوں میں

سے چند جو ... ں کے انکشافات و ادراک سے یہ حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ انسانی تجسّس اور تلاش سے کوئی چیز باہر نہیں رہی اور کائنات کی ہر چیز کو انسان نے دریافت کر لیا ہے کیونکہ اس امر کا سائنسدانوں کو خود بھی اعتراف ہے کہ دور دراز سیاروں سے آگے ایک لامحدود خلا ہے جس کو پاٹنے کا کوئی امکان نہیں۔

پھر اب ایک چاند تو کیا تمام سیاروں تک رسائی ہو جانے کے بعد بھی بالفرض اگر ہو جائے، کسی اسلامی تحقیق اور آسمانوں کے وجود کا انکار کر دینا صحیح نہیں ہو سکتا۔ اور ایک ناقص پرواز اور محدود تجربہ کی بنیاد پر آسمانوں کے وجود کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے۔

درحقیقت سائنس کے اسی غلط استعمال نے اس کو اسلام سے ٹکرا دیا ہے اور یہی وہ مقام ہے جس جگہ سائنس اور اسلام کا تصادم نظر آتا ہے۔ ورنہ سائنس اور اسلام کے ٹکراؤ کی کوئی صورت ہی ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان دونوں کے حدود اختیار الگ الگ اور دائرہ کار جدا ہیں۔

سائنس اور اسلام کا مقصد

سائنس کا مقصد اگر عناصر اربعہ کے باہمی تحلیل و ترکیب اور عناصر علوی وسفلی کے باہمی ربط و تعلق سے پردہ ہٹا کر انسان کے لئے ان سے استفادہ کرنے کی نئی نئی راہیں نکالنا ہے تو ایک سچے اور صحیح مذہب اسلام کے کسی اور پہلو پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ مذہب کا براہ راست تعلق ایک دوسرے عالم سے ہے جو اس کائنات کے آغاز و انجام کی گتھیاں سلجھاتا اور ہدایت و صلاح کے طریقے سمجھاتا ہے اور اس پوری کائنات کا مقصد تخلیق بتاتا ہے۔

دو قدیم فلسفی نظریئے

فلکیات اور ستاروں، سیاروں کی حرکات کے متعلق بحث و تحقیق کوئی نیا فن نہیں ہے ہزاروں سال پہلے سے ان مسائل پر تحقیقات کا سلسلہ جاری ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی پانچ سو سال پہلے اس فن کا معلم فیثا غورث یو طالیہ کے مدرسہ کروتونا میں باقاعدہ اس کی تعلیم دیتا رہا ہے اس کا نظریہ یہ تھا کہ زمین اپنے مرکز و محور پر مغرب سے مشرق کی طرف حرکت کرتی ہے۔ اور آفتاب و چاند وغیرہ کا طلوع جو مشرق کی طرف سے دیکھا جاتا ہے یہ زمین کی اپنی حرکت کی وجہ سے ہے اسی پر دن رات کا اور مہینوں کے شروع اور ختم کا مدار ہے۔ یہ حرکات فلک الافلاک کے تابع نہیں ہیں۔

اس کے بعد میلاد مسیح علیہ السلام سے تقریباً ایک سو چالیس سال پہلے بطلیموس رومی کا دور آیا۔ اسی زمانہ میں ایک دوسرے فلاسفر ہیرو حوس کی شہرت ہوئی جس نے زاویئے ناپنے کے آلات ایجاد کئے۔ ان دونوں کا نظریہ فلکیات اور ستاروں کی حرکات کے متعلق یہ قائم ہوا کہ زمین اپنی جگہ ساکن ہے اور آفتاب اور تمام چاند تارے آسمانوں میں پیوست ہیں۔ فلک الافلاک کی حرکت کے تابع زمین کے گرد حرکت کرتے ہیں ایسی حرکت فلک الافلاک سے چاند تاروں کا طلوع و غروب وابستہ اور دن رات اور مہینوں سالوں کا شروع وختم متعلق ہے۔ چوتھی صدی ہجری اسلامی علماء کے اوائل میں

فلاسفر فارابی نے جب یونانی فلسفہ کا عربی زبان میں ترجمہ کیا تو اس وقت یہی بطلیموس نظریہ دنیا پر چھایا ہوا تھا۔ اسی کی بنیاد پر تمام کتابیں لکھی گئیں۔ اس کے بعد ابن سینا نے مزید اس کی تائید میں کتابیں لکھیں۔ اور مسلمانوں میں فلسفہ اور ہیئت کے رواج کے ساتھ ہی بطلیموس کا نظریہ پھیل گیا۔ اگرچہ اسلامی کتابوں میں فیثا غورثی نظریہ کو بھی چھوڑا نہیں گیا اس کا ذکر بھی تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ مواقف اور شرح مواقف میں تفصیل موجود ہے۔ مگر عام فلسفہ اور ہیئت کی کتابوں نے بطلیموس کے نظریہ پر ہی بنیاد رکھی ہے اور وہی مسلمانوں میں رائج ہوگیا۔ (معارف القرآن)

چونکہ عرصہ تک مسلمانوں میں زیادہ تر اسی نظریہ کا غلغلہ رہا۔ یہاں تک کہ بعض مفسرین نے قرآنی آیات کو بھی اسی نظریہ سے دیکھنا شروع کیا۔ کہ چاند اور ستارے آسمانوں کے اوپر یا ان کے اندر انگوٹھی میں نگینے اور تختی میں میخ کی مانند جڑے ہوئے ہیں اور چاند اور سورج نیز دیگر سیاروں کا تعلق خاص خاص آسمانوں کے ساتھ ہے۔"

ادھر قرآن و سنت کی واضح تصریحات کے مطابق یہ بات ثابت ہے کہ آسمانوں میں دروازے ہیں۔ ان پر فرشتوں کا پہرہ مسلط ہے اور دروازے خاص خاص حالات میں ہی کھولے جاتے ہیں اس لئے آسمانوں میں ہر شخص کا داخلہ جب وہ چاہے نہیں کھل سکتا۔

اس بطلیموسی نظریہ کی شہرت کی وجہ سے چاند ستاروں تک پہنچنے کی کوشش اور سعی کو اسلام کے نظریہ کے خلاف تصور کیا جاتا ہے کیونکہ اجازت خداوندی کے بغیر راکٹوں اور ہوائی جہازوں کا اندر داخلہ کیسے ہو سکتا ہے۔ لیکن آج کل کے خلائی تجربات نے جب یہ ثابت کر دیا کہ ان سیارات تک پہنچا جا سکتا ہے۔ تو اس سے بطلیموسی نظریہ کی غلطی ثابت ہو کر فیثا غورثی نظریہ کی تائید ہوگئی کہ چاند ستارے آسمانوں میں جڑے ہوئے اور پیوست نہیں ہیں۔

قرآنی فیصلہ

اس بارہ میں کوئی قطعی فیصلہ قرآن کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ کہ قرآن کریم نے ستاروں اور سیاروں کو آسمان کے اندر قرار دیا ہے یا ان سے باہر فضائے آسمانی میں بلکہ الفاظ قرآنی کی رو سے دونوں صورتیں ممکن ہیں۔ کائنات کی تحقیقات اور تجربے اور مشاہدے سے جو صورت بھی ثابت ہو جائے قرآن کی کوئی تصریح اس کے خلاف نہیں رہے۔

حق بات یہ ہے

حق بات یہ ہے کہ جس طرح یہ خیال نہایت غلط ہے کہ خلاء کے مسافروں۔ چاند اور سیاروں پر رسائی حاصل کرنے والوں نے آسمانوں پر فتح پالی ہے اسی طرح چاند سیاروں تک پہنچنے کی کوشش اور سعی کو ناممکن کہنا اور اس لئے چاند سیاروں تک رسائی کا انکار کر دینا کہ ان چیزوں تک رسائی آسمانوں سے گزرنے اور ان پر فتح حاصل کئے بغیر ناممکن ہے بطلیموسی نظریہ پر مبنی غلط تصور ہے۔

اسلام نے یہ کہیں نہیں کہا کہ چاند، سورج اور ستارے فلاں فلاں آسمانوں کے اندر ہیں۔ اگر اسلام نے یہ بتایا ہوتا کہ چاند سورج اور ستارے آسمانوں کے اندر ہیں اور ان تک رسائی کے لئے آسمانوں سے گزرنے اور

ایوان کو پار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو اس وقت یہ اشکال درست ہوتا کہ خلائی پرواز کے ذریعہ چاند ستاروں تک پہنچنے والے بغیر اجازت خداوندی آسمانوں کے اندر کیسے داخل ہو گئے۔ مگر یہ خیال ہی غلط ہے کہ چاند ستاروں تک پہنچنے کے لئے آسمانوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

اس لئے چاند ستارے اور کسی بھی سیارے تک رسائی کے بعد یہ دعویٰ کرنا کہ آسمانوں کا وجود ہی نہیں ہے علم و فہم اور عقل و خرد کی تضحیک اور رسوائی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

رفع اشتباہ جعلنا فی السماء بروجا کے الفاظ سے بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ بروج یعنی ستارے آسمانوں کے اندر ہیں کیونکہ حرف فی ظرفیت کے لئے مستعمل ہوتا ہے اسی طرح سورۂ نوح میں ہے الم تر کیف خلق اللہ سبع سموات طباقا وجعل القمر فیھن نورا وجعل الشمس سراجا اس میں فیھن کی ضمیر سبع السموات کی طرف راجع ہے۔ جس سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ چاند آسمانوں کے اندر ہے لیکن یہاں دو باتیں قابل غور ہیں اول تو یہ کہ قرآن کریم میں لفظ سماء جس طرح اس عظیم الشان اور وہم و گمان سے زائد وسعت رکھنے والی مخلوق کے لئے استعمال ہوتا ہے جس میں قرآن کی تصریحات کے مطابق دروازے ہیں اور دروازوں پر فرشتوں کے پہرے ہیں خاص خاص اوقات میں کھولے جاتے ہیں۔ اور جن کی تعداد قرآن نے سات بتائی ہے۔ اسی طرح یہ لفظ سماء ہر بلند چیز جو آسمان کی طرف ہو اس پر بھی بولا جاتا ہے۔

آسمان و زمین کے درمیان کی فضا اور اس سے آگے جس کو آج کل کی اصطلاح میں خلا بولتے ہیں یہ سب دوسرے معنی کے اعتبار سے لفظ سماء کے مفہوم میں داخل ہیں و انزلنا من المعصرات ماء طہورا اور اسی طرح کی دوسری آیتیں جن میں آسمانوں سے پانی برسانے کا ذکر ہے ان کو اکثر مفسرین نے اسی دوسرے معنی پر محمول فرمایا ہے۔ کیونکہ عام مشاہدات سے بھی یہی بات ثابت ہے کہ بارش ان بادلوں سے برستی ہے جو آسمانوں کی بلندی سے کوئی نسبت نہیں رکھتے اور خود قرآن کریم نے بھی دوسری آیات میں بادلوں سے پانی برسانے کی تصریح فرمائی ہے۔ ارشاد ہے انتم انزلتموہ من المزن ام نحن المنزلون اس میں مزن مزنۃ کی جمع ہے جس کے معنی سفید بادلوں کے آتے ہیں معنی یہ ہیں کہ کیا بارش کو سفید بادلوں سے تم نے اتارا ہے یا ہم نے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے وانزلنا من المعصرات ماء ثجاجا اس میں معصرات کے معنی پانی بھرے ہوئے بادل ہیں اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ "ہم نے ہی پانی بھرے بادلوں سے کثرت سے پانی برسایا ہے" قرآن مجید کی ان واضح تصریحات اور عام مشاہدات کی بنا پر جن آیات قرآنی میں بارش کا آسمان سے برسانا مذکور ہے ان میں بھی اکثر مفسرین نے لفظ سماء کے یہی دوسرے معنی لئے ہیں یعنی فضا آسمانی (معارف القرآن)

"جب قرآن کریم اور لغت کی تصریحات کے مطابق لفظ سماء فضا آسمانی کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور خود جرم

آسمان کے نیچے بھی۔ تو ایسی صورت میں جن آیات میں کواکب اور سیارات کے لئے فی السماء کا لفظ استعمال ہوا ہے ان کے مفہوم میں دونوں احتمال موجود ہیں۔ کہ یہ کواکب اور ستارے جرم آسمانی کے اندر ہوں۔ یا فضا آسمانی میں آسمانوں کے نیچے ہوں"

آج کل جب کہ خلائی تجربات نے یہ ثابت کردیا ہے کہ ان سیارات تک پہنچا جا سکتا ہے۔ تو اس سے فیثا غورثی نظریہ کی تائید ہوگئی۔ کہ ستارے آسمانوں میں پیوست نہیں کیونکہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی تصریحات کی رو سے آسمان ایک ایسا حصار ہے جس میں دروازے ہیں اور دروازوں پر فرشتوں کا پہرہ ہے ان میں ہر شخص داخل نہیں ہو سکتا۔"
(معارف القرآن)

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی ارقام فرماتے ہیں۔ ولم یقم دلیل علی ان شیئاً من الکواکب مغروز فی شی من ذا السموات کالفص فی الخاتم والمسمار فی اللوح "اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ کوئی ستارہ بھی آسمان میں ایسا جڑا ہوا ہے جیسے انگوٹھی میں ہیرا یا تختی میں میخ۔

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ وجعل فیہا سراجاً وقمراً منیرا کے تحت تحریر فرماتے ہیں" ظاہراً فیہا سے ان کواکب کا آسمان کے اندر مرکوز ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن اگر ظاہر کے خلاف کسی دلیل قطعی سے ثابت ہو جائے تو فیہا کو فی قربہا کے ساتھ مؤول کرنا ممکن ہے (بیان القرآن ج ۸ صہ ۵۶)

اور کل فی فلک یسبحون کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں" فلک گول چیز کو کہتے ہیں چونکہ شمس و قمر کی حرکت مستدیرہ ہے اس لئے اس کے مدار کو فلک فرمادیا۔ خواہ وہ آسمان ہو یا فضا بین السمائین یا فضا بین الارض والسماء ہو یا ثخن سماء ہو کوئی نص اس میں قطعی نہیں الخ (بیان القرآن ج ۷ صہ ۴۵)

حضرت تھانوی کی عبارات کا خلاصہ مطلب بھی یہی ہے کہ قرآن کریم نے اس بارہ میں کوئی واضح فیصلہ نہیں دیا کہ کواکب آسمان کے اندر ہیں یا باہر ہیں۔ بلکہ دونوں احتمال ہیں۔ اس لئے جس جس جگہ قرآن مجید میں کواکب کے بارے میں فی السماء اور فیہا (آسمانوں کے اندر ہیں) آیا ہے۔ اس کی تاویل فی قربہا (آسمانوں کے قرب میں ہیں) کے ساتھ کی جا سکتی ہے۔ یعنی ان آیات میں السماء سے اگرچہ جرم آسمان مراد ہے مگر فی السماء میں فی کی ظرفیت حقیقی نہیں جس سے کواکب کا آسمانوں کے اندر جڑا ہوا ہونا لازم آتا ہے بلکہ ادنیٰ ملابست اور تلبس کی وجہ سے فی کی ظرفیت مجازی ہے۔ کہ فضا بین السماء والارض معلق کواکب کو بھی فی السماء فرمادیا گیا ہے۔ اور یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کو دور جدید کے نئے انکشافات سے متاثر اور سائنسی ترقیات سے مرعوب ہو کر کہا جارہا ہو بلکہ عصر حاضر کی موجودہ تحقیقات سے بہت عرصہ قبل صحابہؓ اور تابعینؒ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے خیر الامت صحابی اور عطا بن ابی رباح جیسے ثقہ تابعی کے اقوال و روایات میں یہ تصریح پائی جاتی ہے کہ نظام فلکی کے تمام سیارے شمس و قمر، زہرہ

عطارد سمیت آسمانوں کے نیچے لٹکے ہوئے فانوسوں کی مانند ہیں۔ عبداللہ بن عباس کا ارشاد ہے۔ "النجوم قنادیل معلقة بین السماء والارض" ستارے لٹکے ہوئے فانوس ہیں آسمانوں اور زمین کے درمیان۔

ان روایات اور مذکورہ مشاہدے اور تجربہ کی بناء پر آیت مذکورہ کا یہ مفہوم قرار دیا جائے گا کہ کواکب کو فضائے آسمانی میں پیدا کیا گیا ہے۔ اور یہ کوئی تاویل نہیں بلکہ دو مفہوموں میں سے ایک کی تعیین ہے۔ (معارف القرآن)

"تاویل مذکورہ الم تر کیف خلق اللہ سبع سموات طباقا وجعل القمر فیہن نورا۔ میں بھی جاری ہے۔ معنی آیت کا یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اوپر نیچے بنائے اور ان آسمانوں میں چاند کو روشن کیا۔ اس تاویل کی رو سے فیہن کے معنی فی قربہن ہوں گے یعنی آسمان کے قرب اور فضا بین السماء والارض میں چاند کو روشن بنایا۔

آیت ہذا میں سموات سے فضا آسمانی مراد لینے میں بظاہر یہ اشکال معلوم ہوتا ہے کہ سموٰت طباقا سے جرم آسمان کا مراد ہونا یقینی امر ہے اور اس جرم آسمان ہی میں چاند کے روشن ہونے کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے البتہ تاویل مذکور کی رو سے اگر فی کی ظرفیت کو مجازی تسلیم کر لیا جائے تو اس اشکال کا حل ہو جاتا ہے۔

بہرحال جب بطلیموسی اس نظریہ کی تردید ہو گئی کہ ستارے آسمانوں کے جرم میں پیوست ہیں۔ تو اب کسی ستارے تک پہنچنے کے لئے نہ تو کسی کو آسمان سے گزرنے اور پار ہونے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی یہ اشکال واقع ہوتا ہے کہ ان خلائی پرواز کرنے والوں کو آسمانوں میں داخلہ کیسے مل گیا۔

مذکورہ بالا تحریر سے واضح ہو گیا ہو گا کہ چاند ستاروں کے بارہ میں سائنس نے جو نظریہ پیش کیا ہے وہ بہت پرانا اور قدیم فیثا غورثی نظریہ ہے۔ جس کو آج سے اڑھائی ہزار سال پہلے دریافت کر لیا گیا تھا۔ سائنس کی یہ کوئی جدید تحقیق اور نئی دریافت نہیں ہے جس پر اس کو فخر اور ناز کرنے کا حق حاصل ہوتا ہو اور اس کی دریافت کا سہرا اس کے سر ہو۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ نظریہ قرآن و سنت کے خلاف نہیں ہے بلکہ ان جدید نظریات میں جہاں تک اہل تحقیق علماء نے غور و فکر کیا ہے۔ کوئی چیز قرآن و سنت کے خلاف نہیں۔ بجز اس کے کہ فیثا غورث کے اصلی نظریہ میں آفتاب کو ساکن قرار دیا گیا تھا۔ اور یورپ کے ماہرین بھی صدیوں تک کہتے رہے ہیں۔ یہ امر قرآن کریم کی اس تصریح کے خلاف ہے جو سورہ یٰسین میں موجود ہے والشمس تجری لمستقرلها جس سے آفتاب کا بھی حرکت کرنا ثابت ہوتا ہے اسی طرح قرآن کریم کی آیت کل فی فلک یسبحون سے ستاروں کا حرکت کرنا ثابت ہے۔ (معارف القرآن)

اس لئے کہ ظاہر اسناد یسبحون سے کہ اصل اسناد میں حقیقت ہے شمس و قمر کا حرکت ذاتیہ سے متحرک ہونا معلوم ہے (بیان القرآن ص ۔۔۔ ۸۴ ج ۴)

آفتاب کے ساکن ہونے کے فیثا غورثی کے نظریہ کے خلاف اٹھارھویں صدی عیسوی کے ماہرین ہیئت جدید نے یہ تسلیم کر کے کہ آفتاب خود اپنے طور پر حرکت کرتا ہے۔ قرآنی تصریحات کی تائید کر دی۔

موضوع قرآن مجید

اب اس دوسرے گروہ کے متعلق چند گذارشات پیش کی جاتی ہیں۔ جو ان نئی ایجادات پر بنیاد رکھ کر قرآن مجید کی تفسیر کے درپے ہے اور اس کے نزدیک قرآن مجید کا مقصد ہی یہ ایجادات ہیں اور ان ایجادات کے موجدین ہی گویا قرآن مجید کا تقاضہ پورا کرنے والے ہیں۔

اول تو یہ گذارش ہے کہ قرآن مجید کوئی فلسفہ یا ہیئت کی کتاب نہیں ہے۔ جس کا موضوع بحث حقائق کائنات یا آسمانوں اور ستاروں کی ہیئت وحرکات وغیرہ کا بیان ہے۔ قرآن کریم جو آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزوں میں غور و فکر کی دعوت دیتا اور ستاروں کی حرکات اور حرکات سے پیدا ہونے والے آثار کا ذکر بار بار کرتا ہے۔ اس کا ایک تو اس سے یہ مقصد ہے کہ انسان ان کی عجیب وغریب صنعت اور مافوق العادات آثار کو دیکھ کر یہ یقین کرلے کہ یہ چیزیں خود بخود پیدا نہیں ہوگئیں۔ بلکہ ان کو پیدا کرنے والا کوئی سب سے بڑا حکیم، بڑا علیم اور سب سے بڑا صاحب قدرت و قوت ہے۔ کہ یہ اجرام فلکیہ اپنی اس قدر وسعت و فراخی کے باوصف اس کے تصرف کے تحت متحرک اور اس کے فرمان کے تابع ہیں۔ اور اس قادر کے حکم کے خلاف کرنے پر ان کو ذرہ بھر قدرت حاصل نہیں ہے۔

مگر اس یقین حاصل کرنے کے لئے ہرگز اس کی ضرورت نہیں کہ آسمانوں اور فضائی کائنات اور ستاروں سیاروں کے مادے کی حقیقت اور ان کی اصل ہیئت وصورت اور ان کے پورے نظام کی پوری کیفیت اس کو معلوم ہو بلکہ اس کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے جو ہر شخص مشاہدہ سے دیکھتا اور سمجھتا ہے کہ شمس وقمر اور دوسرے ستاروں کے سامنے آنے اور کبھی غائب ہوجانے سے نیز چاند کے گھٹنے بڑھنے سے اور رات دن کے انقلاب پھر مختلف موسموں اور مختلف خطوں میں دن رات گھٹنے بڑھنے کے عجیب وغریب نظام سے جس ہزاروں سال سے کبھی ایک منٹ ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آتا ان سب امور سے ایک ادنیٰ عقل وبصیرت رکھنے والا انسان یہ یقین کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ یہ سب کچھ حکیمانہ نظام یونہی خود بخود نہیں چل رہا۔ کوئی اس کو چلانے بنانے والا۔ باقی رکھنے والا ہے۔ اور اتنا سمجھنے کے لئے انسان کو نہ کسی فلسفی تحقیق کی ضرورت ہے اور نہ حالات رصدیہ کے ذریعہ کائنات کے حقائق کی دریافت کی حاجت پڑتی ہے اور نہ ہی قرآن کریم نے اس کی طرف دعوت دی ہے۔ قرآن کریم کی دعوت صرف اسی حد تک ان چیزوں میں غور وفکر کی ہے جو عام مشاہدے اور تجربہ سے حاصل ہوسکتی ہے۔ اور ہر شخص خواہ عامی ہو۔ یا عالم منطقی ہو یا فلسفی۔ بقدر اپنی استطاعت اور فہم کے اس سے استفادہ کرسکتا ہے۔ ان فلسفیانہ موشگافیوں اور آلات رصدیہ پر موقوف ہونے والے حقائق کے دریافت کرنے کی قرآن کریم دعوت نہیں دیتا کیونکہ ان حقائق کو چند خاص ماہرین سائنس افراد کے سوا دنیا کا کوئی ذو بشر دریافت کرہی نہیں سکتا۔ اور قرآن کی دعوت عام ہے اپنی استعداد اور فہم کے مقدار ہر فرد بشر اس سے استفادہ کرسکتا ہے۔ اور ہر شخص اس کی دعوت پر عمل کرسکتا ہے۔ اس لئے ایسے فلسفیانہ حقائق کی دریافت کرنے کو تو قرآن مجید کی دعوت کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟

تجدد پسند علماء کی غلطی

آج کل بعض تجدد پسند علماء نے یورپ اور اس کی تحقیقات سے متاثر ہو کر آیات کونیہ میں تدبر اور غور و فکر کا جو یہ منشا بتایا ہے - کہ بہ غلائی سفر چاند اور مریخ اور زہرہ پر کمندیں پھینکنے کی مساعی قرآن کریم کے تقاضہ کو پورا کرنا ہے - اور یہی مقصد قرآن کریم کا ہے یہ بالکل غلط ہے ورنہ جس ذات قدسی صفات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیات نازل ہوئیں اور جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بلا واسطہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو پڑھا اور سمجھا ہے اگر ان آیات کا یہ تقاضہ ہوتا کہ کائنات کے حقائق کو دریافت کیا جائے اور آسمان و زمین کی ماہیتوں کو معلوم کیا جائے تو وہ حضرات ضرور اس طرف توجہ فرماتے اور قرآن کریم کے تقاضہ کو ضرور پورا کرتے - مگر انہوں نے ان امور کی طرف قطعاً توجہ نہیں دی - حالانکہ اس زمانہ میں بھی ہیئت قدیم کا فن موجود تھا - جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے -

پس صحیح بات یہ ہے کہ قرآن کریم نہ تو ان فلسفی اور سائنسی تحقیقات (خواہ وہ تحقیقات قدیمہ ہوں یا جدیدہ) کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے نہ ان سے بحث کرتا ہے اور نہ ان چیزوں کی مخالفت کرتا ہے - (معارف)

اس لئے علمائے حق اس پر متفق ہیں کہ ان مسائل کے متعلق جو بات قرآن کریم سے یقینی طور پر ثابت ہو اگر کوئی قدیم یا جدید نظریہ اس سے مختلف ہو تو اس کی وجہ سے قرآنی آیات میں کھینچ تان اور تاویل جائز نہیں - اس نظریہ ہی کو مغالطہ قرار دیا جائے گا - البتہ جن مسائل میں قرآن کریم کی کوئی تصریح موجود نہیں - الفاظ قرآنی میں دونوں معنوں کی گنجائش ہے - وہاں اگر مشاہدات اور تجربات سے کسی ایک نظریہ کو قوت حاصل ہو جائے تو آیت قرآنی کو بھی اسی معنی پر محمول کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں - (معارف)

واقعہ یہ ہے کہ اس وقت تک ہیئت جدید نے جو تحقیقات پیش کی ہیں اس میں آسمانوں کے انکار کے سوا کوئی کوئی بھی قرآن و سنت کے خلاف نہیں ہے - بعض لوگ اپنے قصور علم سے ان کو قرآن و سنت کے خلاف سمجھ کر تاویلات کے درپے ہوتے ہیں - (معارف)

غرضیکہ قرآن کریم ایسی فلسفیانہ دور از کار بحثوں اور تحقیقات میں انسانوں کو نہیں الجھاتا - جو عام انسانوں کے قابو سے باہر ہیں - اور جن کو حاصل کر لینے کے بعد بھی قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہی صحیح ہیں کیونکہ حقائق کائنات پر عبور کر لینا انسان کے بس کی بات نہیں ہے -

ہر زمانہ کے فلاسفروں اور ماہر فلکیات کے نظریات میں شدید اختلافات اور روزمرہ کے نئے انکشافات اس واضح دلیل ہیں - کسی نظریہ اور تحقیق کو یقینی اور آخری نہیں کہا جا سکتا - لہٰذا قرآن فہمی اور مقاصد قرآن کریم کو حاصل کرنے کے لئے ان تبدیل پذیر نظریات اور غیر یقینی تحقیقات کی قطعاً ضرورت نہیں ہے - اور نہ ہی ان تحقیقات میں یہ صلاحیت ہے کہ ان کو قرآن مجید کا تقاضہ قرار دے کر ان پر قرآن فہمی کی بنیاد رکھ دی جائے اس لئے کہ جب

باقی ص۲۵ پر